عوامی ادب کا خاص ادیب... اظہار اثر

انجم عثمانی

97-F سیکٹر 7، جسولہ وہار، نئی دہلی۔110025، موبائل:9873187237

اردو شعر و ادب کی دنیا میں عام طور پر دو طرح کے تخلیق کار ہیں۔ ایک وہ جن کے فن کی رسائی زیادہ تر ان مخصوص افراد تک ہے جنھیں ادب کے بہت سنجیدہ مخصوص اور باقاعدہ قاری سمجھا جاتا ہے۔ ان میں بیشتر افراد خود لکھنے لکھانے والے اور پڑھنے پڑھانے کے کام میں باقاعدہ مصروف ہیں۔ ان کی تعداد اگرچہ کم ہے مگر علم و ادب کی دنیا میں ان کی رائے کا وقار و اعتبار ہے۔ دوسرے وہ ہیں جن کی رسائی زیادہ تر عام قاری اور سامع تک ہے جنھیں ''خاص قاری'' مشکل سے میسر آتا ہے، لیکن کچھ فن کار ایسے بھی ہیں جو عوام و خواص دونوں کی توجہ کا مرکز بننے اور ادب سے متعلق ایک بڑے طبقے کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ایسے تخلیق کاروں، فنکاروں کی تعداد ہر دور میں بہت کم رہی ہے۔ ایسے ہی کمیاب اور ہر دل عزیز فنکاروں میں سے ایک بہت اہم تخلیق کار کا نام تھا اظہار اثر۔

اظہار اثر کا ۱۵/ اپریل ۲۰۱۱ء کی صبح ۸۴ سال کی عمر پا کر دہلی میں انتقال ہوا اور اردو والے ایک ایسے لکھنے والے سے محروم ہو گئے جس نے تقریباً نصف صدی تک اردو شعر و ادب کی ایسی خدمت انجام دی جس نے اردو کے عام اور خاص دونوں طرح کے لوگوں کو متوجہ کیا۔

اظہار اثر ۱۵/ جون ۱۹۲۹ء کو اتر پردیش کے ضلع بجنور کے مشہور تاریخی قصبے کرت پور میں پیدا ہوئے۔ دوآبے کا یہ قصبہ شعر و ادب اور علم و فن کی دنیا میں تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس خطے سے علم و ادب کی بہت سی شخصیات وابستہ رہی ہیں۔ اظہار اثر نے لڑکپن میں ہی لکھنا اور چھپنا شروع کر دیا تھا، سائنسی مضامین سے بھی ان کی دلچسپی شروع سے ہی تھی۔ ۱۹۵۵ء میں ان کا پہلا سائنسی ناول '' آدھی زندگی'' منظر عام پر آ کر مقبول ہوا۔ دو سو سے زیادہ سائنسی مضامین لکھے جو اردو کے مقتدر جرائد میں شائع ہوئے۔ شعری مجموعے ''لاشریک'' میں بھی سائنسی موضوعات پر نظمیں شامل ہیں۔ ''سائنس کیا ہے'' کے نام سے مضامین کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ایک ہزار کے قریب اردو ہندی ناول لکھے جن میں جاسوسی ناول شامل ہیں۔ کہانیوں کا مجموعہ ''میرے افسانے'' کے نام سے شائع اور مقبول ہوا۔

اظہار اثر ایک ناول نگار'' افسانہ نویس اور شاعر تھے مگر ان کی خاص پہچان ان مقبول عام ناولوں کی وجہ سے تھی جن کے قارئین کی تعداد اردو میں سب سے زیادہ ہے۔ جاسوسی ناولوں میں انھوں نے اپنا مخصوص اسلوب بنایا۔ سائنس فکشن بھی ان کا خاص میدان تھا۔

سائنس فکشن کے ساتھ سائنسی شاعری اظہار اثر کا خاص اور منفرد میدان تھا۔ شاعری کے اظہار کے اس ''سائنسی طریقہ'' میں وہ نمایاں بھی تھے اور غالباً تنہا بھی۔ سائنسی نظموں سے متعلق ان کے مجموعے ''لاشریک'' (جو ۱۹۸۰ء میں اردو اکادمی، دہلی کے تعاون سے شائع ہوا تھا) سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے سائنسی حقائق اور اشیا کی مادی حقیقت کو جس طرح شعری اسلوب عطا کیا ہے وہ اردو شاعری میں بالکل نیا تجربہ تھا جسے خاص حد تک کامیابی بھی ملی اور اس کامیابی کی دھمک صرف اردو میں ہی نہیں ہندوستان کی دوسری زبانوں میں بھی سنائی دی:

> ''جدید دور سائنس کا زمانہ ہے، اس دور کے نقشِ قدم سائنسی نقوش کے بنا ادھورے ہیں۔ اظہار اثر ادیب کی حیثیت سے پہلے ہی شہرت کی بلندیوں کو چھو چکے ہیں۔ سائنس کی دھڑکنوں کو سننے والے وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی شاعری میں ان دھڑکنوں کو سمویا ہے۔ ان کی نظموں سے اردو میں ہی نہیں ہندوستان کی دوسری زبانوں میں بھی سائنسی نظموں کی شروعات ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی روایت ہے جو ماضی کی نہیں مستقبل کی جھلک دکھاتی ہے۔ ایک طرح سے اظہار اثر کی سائنسی شاعری مستقبل کی آواز ہے جسے آنے والی صدیاں سنیں گی۔''

(راجندر اوستی: ایڈیٹر ساپتاہک ہندستان (ہندی)

(''لاشریک'' کے فلیپ سے)

مشہور صحافی، دانشور، مصنف اور سماجی کارکن اوما واسودیو اپنے انگریزی جریدے ''سرچ انٹرنیشنل'' میں لکھا:

> ''اظہار اثر جدید حسیت کا شاعر ہے۔ اس کی امیجری کی اہم بنیاد سائنس ہے۔ وہ پہلا شاعر ہے جس کے خیال اور لہجے میں سائنس کی جھلک ملتی ہے۔

اظہار نے سائنسی نظریات کو انسانی محسوسات میں سمو کر ایک نیا تجربہ کیا ہے۔ جو بہت دلکش تجربہ ہے۔ مثال کے طور پر نظم ''ذرّہ'' میں بظاہر ایٹم کو توڑنے کا سائنسی عمل نظر آتا ہے لیکن سائنس کی مسلم حقیقت کے باوجود یہ نظم انسانی احساسات و جذبات کی حامل ہے۔ اس طرح کی نظمیں ''سیاہ سورج'' اور ''پیدائش ایک سورج کی'' ہیں (میں ان تینوں نظموں کا انگریزی میں منظوم ترجمہ کر چکی ہوں) ان نظموں میں اظہار نے فطرت کے دو مظاہر کو انسانی تجربات و محسوسات پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔ سیاہ سورج جو کبھی خلا کی تیرگی کو نور بخشتا تھا گردش زمانہ سے اپنا نور کھوتے کھوتے خود تاریک ہو گیا ہے۔ ''پیدائش ایک سورج کی'' میں ناکامی کی موت کے بعد امید کی نئی زندگی کا انتظار ہے اور اس انتظار کے عمل میں انسانی ذہن جس کرب سے گزرتا ہے وہ پوری شدت کے ساتھ ساتھ سائنسی مظہر کے حوالے سے سامنے آیا ہے۔ اسی طرح اظہار اثر نے سائنسی حقیقتوں کے ڈرامے کو انسانی جذبات محسوسات اور تجربات میں ڈھال دیا ہے۔'' (''لاشریک'' کے فلیپ سے)

یہ بات اہم ہے کہ اظہار اثر نے شاعری اور خاص طور پر نظموں میں سائنسی حقائق کو بنیاد بنایا، لیکن شعر و ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ یہ بات بہت زیادہ اہم ہے کہ انھوں نے ٹھوس سائنسی حقائق کے شعری استعمال کے باوجود شاعری کے اس بنیادی وصف کو عام طور پر ضائع نہیں ہونے دیا جس کا تعلق اس حس لطیف اور ذوق سلیم سے ہے جس کے بغیر کوئی بھی سائنس شعر کو صحیح معنوں میں شعر نہیں بنا سکتی۔ اظہار اثر کا شعر ہے:

کتنے غموں کا بار اٹھائے ہوئے ہے دل
ایک زاویے سے شیشہ نازک بھی سنگ ہے

دل کو شیشے سے تو بہت سے شاعروں نے تشبیہ دی ہے مگر اس ماڈی دلیل کی شاید ہی کوئی مثال ملے جس میں شیشے کے نازک پن اور اس کی ماڈی سختی کو اس طرح پیش نظر رکھا گیا ہو۔ غور کیجیے آئینہ والے ہمارے معلوم اشعار مثلاً:

آئینہ دیکھ اپنا سا منھ لے کر رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا وغیرہ

سے کس قدر مختلف، معنٰی خیز اور سائنسی حقیقت کو سموئے ہوئے تغزل سے ہم آشنا شعر ہے۔ سائنسی حقائق اور ٹھوس معلومات کو پیکر عطا کر کے لطیف بنا دینا اظہار اثر کا مخصوص شعری رویہ ہے جس نے ان کی نظموں میں بہت عمدگی سے اظہار پایا ہے:

زمانہ نابلد مجھ سے/ فضا نا آشنا مجھ سے
میں تحریر صدا ہوں/ میں تصویر صبا ہوں
مجھے محسوس کر پورے بدن سے
سماعت سے ماورا میں اک نوا ہوں
میں اک آواز ہوں

(نظم ''ناشنیدہ'')

ایک مختصر نظم اور دیکھیے اور محسوس کیجیے کہ معشوق کی ''سخت دلی'' اور ''بے توجہی'' کو ''سنگ'' سے تشبیہ دینے والی شعری روایت کے درمیان یہ نظم ''ناپتھر'' کیا تاثر قائم کرتی ہے:

''مگر وہ شخص
اپنی ذات میں جو کھویا رہتا ہے
کسی چہرے پہ دکھ کی داستاں جو پڑھ نہیں سکتا
کسی کی آنکھ میں شبنم نظر آتی ہیں جس کو
کسی کے دل کی دھڑکن کی دھمک جس کو نہیں چھوتی
اسے کیا نام دو گے؟
وہ تو پتھر بھی نہیں ہوتا....''

اور دس لفظوں، چار مصرعوں کی اس مختصر نظم میں تو طویل داستانیں جذب ہو گئی ہیں:

''پھول کھلے/ تو آنسو ٹپکے
اشک گرے/ تو پھول کھلے

(ایک طویل داستان کے دو مختصر باب)

پھول، اشک، کھلنا اور گرنا یہ سب علائق خوشی، غم، روشنی، اندھیرا، نیکی اور بدی، زندگی اور موت اور اس طرح کی تمام چیزیں چند لفظوں میں جذب ہو گئی ہیں۔

سیاہ سورج کا قدیم تصور بلیک ہولز (Black Holes) کے نام سے تقریباً ایک صدی قبل ہی سامنے آیا ہے اور اس تھیوری پر کافی کام بھی ہوا ہے جس کی مختلف تعبیرات پیش کی گئی ہیں۔ دیکھیے اظہار اثر نے بلیک ہولز کی سائنس کو کس طرح شاعری میں سمویا ہے کہ سائنسی تصور اور شاعرانہ احساس ہم آہنگ ہو گئے ہیں:

کبھی میں تھا اک روشن ستارہ/ خلا کی تیرگی کو بخشتا تھا نور میں بھی
مگر اب تو قتیل وقت ہو کر رہ گیا ہوں/ مرے اندر اندھیرا بڑھ رہا تھا
میں اپنی روشنی خود پی گیا ہوں

جدید سائنسی تصورات کے شعری اظہار میں جو درک، مہارت، گہرائی اور گیرائی اظہار اثر مرحوم کی شاعری کا حصہ بنی وہ ہنوز انھی کا حصہ ہے اس

وقعت کے ساتھ بیان کی ابھی کسی دوسرے کو توفیق نہیں ہوئی:

میں دھنک ہوں مرے جسم میں رنگ ہی رنگ ہیں
پیاس کا رنگ بھی/ پیار کا رنگ بھی
سوز کا رنگ بھی/ ساز کا رنگ بھی
لال نیلے ہرے اودے پیلے گلابی سبھی رنگ ہیں
رنگ بن کر میں بکھرا ہوں شفق تا شفق
درد بن کر میں پھیلا ہوا ہوں افق تا افق
پیاس بن کر سرابوں میں رہتا ہوں میں
پیار بن کر گلابوں میں رہتا ہوں میں
میں دھنک ہوں میرے جسم میں رنگ ہی رنگ ہیں
لال/ نیلے
ہرے/ روشنی کی جو بنیاد ہیں۔''

جسم میں دھنک، رنگ کے عمل اور ردعمل کو غزل کے شعر میں دیکھئے کتنے حسن کے ساتھ بیان کیا ہے:

اپنے بدن کے رنگ چھپالو
ہاتھوں میں بینائی بہت ہے

اظہار اثر نے اردو شاعری کے روایتی، سہل الحصول اور عام موضوعات کو بھی اس طرح برتا ہے کہ تاثر مختلف اور دوچند ہو گیا ہے۔ وصل، ہجر، بدن، موسم وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جو اردو شاعری کے عام بلکہ عوامی موضوعات بن گئے ہیں مگر ان پیش پا افتادہ مضامین کو بھی انھوں نے سائنسی شاعری میں نئے طریقے سے برتا ہے۔ دیکھیے:

جب وہ میری باہوں میں ہوتی ہے
میرے بدن کی گرمی پا کر/ موم کی طرح
پگھلنے لگتی ہے/ پھر دھیرے دھیرے
میری شکل میں ڈھل جاتی ہے
دھیرے دھیرے
''میں'' بن جاتی ہے۔''

(نظم ''وصل'')

اور تین موسموں کو یوں بیان کیا ہے:

لمبی کالی راتیں
کاندھوں پر پھیلائے
جب وہ/طلوع ہوتی ہے چھت پر
سردی کا موسم آجاتا ہے

اوپری ہونٹوں کے کناروں پر
جھلملاتی اوس کی بوندیں
اس کی بھیگی قمیص کے گوشے
شب دلہن کی مہک سی دیتے ہیں
آنے والا ہے موسم گرما

شاید برکھارت آپہنچی
شاید بادل برسیں گے
اس کے بدن سے پھوٹ رہی ہے
کچی مٹی جیسی خوشبو...''

(نظم ''تین موسم'')

اظہار اثر دراصل اپنے مخصوص مزاج اور افتادہ طبع کے اعتبار سے قدیم وجدید، ظاہری و باطنی وجود و احساس کے لحاظ سے ایسا منفرد ذہن رکھتے تھے جو شعر و ادب کے کسی ایک سانچے میں تکمیل نہیں پا سکتا تھا اس لیے انھوں نے شعر و ادب کے مختلف راستوں کو اپنایا اور بہت کامیابی کے ساتھ کبھی ناول، کبھی افسانے اور کبھی شاعری میں اس طرح بیان کیا کہ بات خود ان کی ذات کی بھی رہی، زمانے کی بھی رہی اور پڑھنے والوں کو بھی اپنی سی لگی۔ اسی لیے ہندو پاک کے مشہور شاعر احسان دانش نے ان کی شاعری کے بارے میں لکھا تھا:

''اظہار اثر کے یہاں ذات وکائنات کے مظاہر اور باطنی اشارات کی اس قدر بہتات ہے کہ وہ ایک ادارہ طلب کرتے ہیں۔ اظہار اثر کے یہاں ہر لفظ اپنے معانی پر اصرار کرتا ہے اور فکری بلندیوں کی اصطلاحات کی تلاش میں ہے وہ اسم اور اشیا کے ایسے معنی بیان کرنا چاہتا ہے کہ جو اس کی فکری قوت اور تخیلاتی صلاحیت سے ایک جان ہو جاتے ہیں.... اس کے یہاں روایت کا احترام بھی ہے کیوں کہ روایت سیکڑوں تجربات سے اور مشاہدات سے چھن کر عالم آشنا ہوتی ہے، لیکن ان کے گنبد میں طرز نو کی گونج ان کو تقلید و پیروی کی راہوں سے الگ تھلگ چلنے پر اکساتی ہے مگر یہ جنون سفر مسرت ونشاط کو اپنا اپنا حق دیتا ہے اور حصار تنگ نہیں کرتا۔''

(''نئے اسلوب کا آزادانہ علم'' لاشریک کے دیباچہ سے)

احسان دانش کی یہ رائے گرچہ اظہار اثر کی شاعری کے بارے میں ہے، لیکن ان کا یہ مثبت رویہ صرف شاعری تک محدود نہیں تھا بلکہ نثر میں بھی انھوں نے اس کا لحاظ رکھا۔ جن لوگوں نے اس کے افسانے اور ناول پڑھے

ہیں (اور بیشتر اردو والے عرصہ دراز تک ان کے مسلسل قاری رہے ہیں) وہ جانتے ہیں کہ اپنے افسانوں اور ناولوں میں بھی انھوں نے روایت (داستانوں کی ہم جوئی، قصہ گوئی ابتدائی ناول نگاری کی مقصدیت و رومانیت وغیرہ) اور جدید سائنسی رویے دونوں کی پاسداری کی۔ اسی لیے ان کی شعری و نثری تخلیقات قدیم و جدید اور عوام و خواص کے مزاج کا ایسا امتزاج ہیں جو روایت اور جدت پسند دونوں کے لیے قابل قبول ہیں۔

قدیم و جدید کی پاسداری کے علاوہ ان کی مقبولیت کا راز زبان کی اس سلاست، معیار اور طریقۂ بیان میں مضمر ہے جو ان کا مستقل اسلوب بن گیا تھا، نثر میں دلچسپی کا ایسا تسلسل کہ قاری کے لیے ناول شروع کر کے مکمل کرنا بھی ضرورت لگتا تھا۔ اظہار اثر نے لگاتار ضرورتاً بھی بہت زیادہ لکھنے کے باوجود اس سطح کو عام طور پر باقی رکھا جو ادب اور غیر ادب میں امتیاز کی نشانی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قدیم روایت کی پاسداری، جدت نگاری، جنون سفر میں مسرت و نشاط کے حق کی حفاظت، زبان کی سلاست، بیان کی ندرت، موضوعات کی جدت اور اس تخلیقی جذبے نے جو فنون لطیفہ کی روح ہے انہیں قبول عام و عوام بھی بخشا اور خواص کے اعتبار سے بھی نوازا۔

تقریباً چالیس برس پہلے کی بات ہے جب اظہار اثر صاحب سے پہلی ملاقات میرے اور ان کے مشترکہ بزرگ حضرت مولانا قاضی سجاد حسین کے دولت خانے احاطہ کالے صاحب دہلی میں ہوئی۔ قاضی صاحب مرحوم کا آبائی وطن بجنور تھا اور اظہار اثر کا بھی۔ قاضی صاحب مرحوم کا معاملہ یہ تھا کہ وہ ایک بڑے عالم دین، مفسر، محدث اور مصنف ہونے کے باوجود عام طور پر سماج کے ہر طبقے سے اور خاص طور پر شعر و ادب سے متعلق لوگوں سے رابط رکھتے تھے اور ان کے ہاں حاضر باشوں میں علما، صلحا، طلبا کے علاوہ شعرا و ادبا کو بھی دخل تھا۔ قاضی صاحب مرحوم میرے دادا مفتی اعظم ہند مفتی عزیز الرحمٰن قدس سرہٗ کے شاگرد، میرے تایا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے ہم نشین اور میرے والد مرحوم کے ہم عمروں میں تھے اور ان حوالوں سے ہمیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ دلی میں مستقل سکونت پذیر ہونے کے بعد کئی برس تک ان کے زیر تربیت ہونے کا شرف حاصل رہا۔ میں تقریباً روز ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ان ہی دنوں میں دہلی کے بہت سے علما کے ساتھ بہت سے ادیبوں، شاعروں اور نامور شخصیات سے قاضی صاحب کے طفیل شخصی تعارف کا موقع ملا۔ ان اہم شخصیات میں اظہار اثر بھی شامل تھے۔

اظہار اثر صاحب سے شخصی ملاقات سے پہلے ہم اپنے زمانہ طالب علمی میں ہی ان کی کہانیوں اور ناولوں کے مسلسل قاری تھے۔ جاسوسی ادب میں، جاسوسی دنیا والے ابن صفی اور جاسوسی پنجہ والے مسعود جاوید کے بعد جن لکھنے والوں نے بڑے پیمانے پر اس صنف کو آگے بڑھایا ان میں اظہار اثر کا نام بہت نمایاں ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ ادب کے اس طریقۂ اظہار کو ''ثقہ نقاد'' کسی نظر سے بھی دیکھے، لیکن عوامی پسند کے علاوہ ان ناولوں سے قصہ پن، زبان اور محاورے کو جو فروغ حاصل ہوا ہے اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ عوام پسند یہ تحریریں کئی اعتبارات سے خواص پسند سے زیادہ دلچسپ اور مفید ہیں اور انھیں ''عوام و خواص'' پسند کہنا چاہیے۔

اظہار اثر ان چند تخلیق کاروں میں تھے جنھوں نے بسیار نویسی اور عوام پسندی کے باوجود معیار کو قائم رکھا اور ایسے بہت سے افسانے، ناول اور جاسوسی ناول لکھے جنھوں نے تحریر کی روانی، قصہ کی دلچسپی اور اپنے آپ کو پڑھوا لینے کی قوت نامیہ کی وجہ سے ایک لمبے عرصے تک قارئین کی ایک بڑی تعداد کو متاثر کیا۔

شاید یہ ۱۹۸۵ء کی بات ہے جب دوردرشن کے ایک خصوصی پروگرام میں مجھے ان کے ساتھ پہلی بار پروگرام ڈائریکٹ اور پروڈیوس کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد سے ان کا تعلق دوردرشن سے ایسا دوستانہ ہو گیا کہ ان کو بہت سے ادبی پروگراموں میں دعوت دی گئی۔ مجھے یاد ہے کہ ان کے لکھے ہوئے ایک خوبصورت ٹی وی فیچر ''اردو شاعری میں سائنس'' کی ہدایت کاری کے دوران کئی دن آؤٹ ڈور شوٹنگ میں ساتھ رہا، اس دوران ان کی بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی، دوستانہ شفقت اور ان کے تخلیقی مزاج کے بہت سے پہلوؤں کو قریب سے دیکھا۔

اظہار اثر آڈیو اور ویڈیو میڈیم کے تقاضوں سے بخوبی واقف تھے اس لیے ان کی بہت سی تحریریں ریڈیو اور ٹیلی ویژن دونوں میں خوب خوب استعمال ہوئیں، آرکائیوز کے لیے دوردرشن کے لیے ان کا ایک طویل انٹرویو بھی ریکارڈ کیا گیا تھا، جس کی ہدایت کاری خوش نصیبی سے میرے حصے میں آئی تھی۔

دوردرشن اور اس طرح کے اداروں میں کام کرنے ''سائڈ افیکٹس'' (ضمنی اثرات) جو بھی ہوں، لیکن یہ فائدہ ضرور ہے کہ ایسی بہت سی من چاہی شخصیات سے ملنے اور ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع میسر آتا ہے جو شاید بصورت دیگر ممکن نہیں ہوتا۔ ہمیں اظہار اثر صاحب سے بہت مرتبہ ملنے، گفتگو کرنے کبھی کبھی ادبی بحثیں کرنے اور کچھ ساتھ کام کرنے کا موقع میسر آیا۔ جب تک ''عوامی ادب'' اور ''جاسوسی کہانی نویسی'' کا ذکر رہے گا ان کا نام محبت اور احترام سے لیا جاتا رہے گا۔

◆◆◆